فوق بلگرامی کا مقدمۂ تفسیر قرآن

ایک اجمالی تعارف

پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی

سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی کی حیات اور ان کے کارنامے آپ گزشتہ راہ اسلام کے شمارے میں ملاحظہ کر چکے ہیں جس میں یہ اطلاع موجود ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی تھی۔ بیس پارے مکمل ہو چکے تھے کہ ان کا انتقال ۱۹۴۲ میں ہوگیا۔ یہ قرآن نظامی پریس لکھنؤ سے چھپنا شروع ہوگیا تھا۔ اس تفسیر قرآن کی خوبی یہ تھی کہ وہ تمام آیات معہ ترجمہ وتفسیر لکھی گئی تھیں جو مطابق روایات اہل سنت وشیعہ حقوق اہل بیت طاہرین میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بحران میں طباعت کی تمام کوششیں زائل ہوگئیں۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ کتنے پارے چھپے۔صرف ''مقدمہ'' تفسیر قرآن، نہ معلوم کیسے چھپ کر آیا جو بڑی شیٹ پر چار چار صفحات میں چھپا ہوا ہے ان کو صفحات کے اعتبار سے کاٹا بھی نہیں گیا ہے۔ غالباً یہ تصحیح کے لئے کاپی بھیجی گئی ہوگی جو میرے گھر پڑی رہ گئی۔

یہ مقدمہ، تفسیر قرآن طویل بھی ہے اور دقیق بھی۔ میں نے اس کی تلخیص تیار کی ہے اور زبان کو اس طرح عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے کہ فوق صاحب کے نفس مطلب پر کوئی اثر نہ پڑنے پائے۔

تفسیر کا تعلق بیان سے ہے، جس کا اصل مقصد واضح کرنا ہوتا ہے۔ جو لوگ عربی زبان ومحاورات پر عبور رکھتے ہیں، وہ ظاہری قرآن کے معنی سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔ اگر الفاظ کے حقیقی معنی لئے جاسکتے ہیں تو خوامخواہ مجازی معنی یا کنایہ پر محمول کرنا اصول کلام کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔ اگر صرف اظہار خیال کر دیا جائے تو اس کو تفسیر بالرائے کہا جائے گا۔

اگر حقیقی معنی کا مراد لینا ممکن نہ ہو تو پھر ایسے کنایہ یا مجازی معنیٰ کا لینا درست ہوگا جو مستعمل عربی محاورے کے مطابق ہو۔ ان مروجہ محاورے سے دور، کوئی بعیدی معنی پیدا کرنا اصول کلام کے خلاف ہے۔ اس کو مراد خداوند عالم سمجھنا، تفسیر بالرائے ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں حضرت

عیسیٰ کے معجزات کا ذکر ہے۔[۱] حضرت عیسیٰ مٹی سے ایک مجسمہ بطور طائر بناتے تھے اور اس میں پھونکتے تھے تو وہ بحکم خدا سچ مچ کا پرندہ ہوجاتا تھا۔ کوڑھیوں کو شفا بخشتے تھے اور مردوں کو بحکم خدا زندہ کرتے تھے۔ نیاز فتح پوری نے ، جو انبیاء کے معجزات کے قائل نہیں ہیں، اپنے پرچے نگار میں اس کے عجیب وغریب معنی بتلائے ہیں:

''مٹی سے مراد انسان ہے جو کہ مٹی سے بنایا گیا ہے ۔ پرندہ کے معنی فضائے روحانیت میں اڑنے کی صلاحیت ،پھونکنے سے مراد ہے ہدایت کی روح کا پہونچانااور بحکم خدا اڑنے کے معنی معارف وہدایت کو حاصل کرکے معرفت میں پرواز کرنا، اندھے، کوڑھی کو شفا بخشنے کے معنی ، ان لوگوں کو ہدایت کرنا جو بالکل علوم ومعارف سے بے بہرہ ہیں۔ مردوں کو زندہ کرنے کے معنی کافروں کو مومن بنانا اور گمراہوں کی ہدایت کرنا'' الفاظ کی دنیا کی اس کایا پلٹ کا اصول وقوانین کلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔تفسیر کے نام پر اگر اس طرح کی اختراع کا دروازہ کھول دیا جائے تو کلام الٰہی ایک پہیلی بن کر رہ جائے گا۔

قرآن مجید کی بہت مشہور آیت ہے[۲] مہرلگادی خدا نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔'' بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس آیت میں کفار ومشرکین کی مذمت کی گئی ہے۔لیکن بعض ارباب عرفان نے اس کو اہل معرفت اور ارباب عشق صادق قرار دیا ہے کہ یہ خاص بندے میرے لئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہیں یعنی ماسوائے اللہ کوئی چیز ان کی آنکھوں میں سماتی ہی نہیں۔ اور ان کے لئے عذاب درد ناک ہے یعنی وہ محبت کی سختیوں کو جھیل رہے ہیں ۔ عذاب عذوبت سے مشتق ہے جس کے معنیٰ خوشگواری وشیرینی کے ہیں۔ اس طرح کی تاویلات کا کلام الٰہی اور اس کے معنی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

اسی سے ملحق تفسیر کی ایک شق اور بھی ہے۔ ایک عام مفہوم کے لفظ کو کسی فرد خاص میں متعین کرنا اور اس کے لئے کسی دلیل خاص کی طرف اشارہ کرنا۔ مثلاً[۳] قسم ہے وقت عصر کی یقیناً انسان نقصان اور گھاٹے میں ہے'' بعض واعظین سے سنا جاتا ہے کہ جس عصر کی قسم کھائی گئی ہے وہ عصر عاشورہ ہے ورنہ کوئی عصر اس کی مستحق نہیں کہ خدا اس کی قسم کھائے یہ بالکل کھلی ہوئی تفسیر بالرائے ہے۔ اگر اس تجزیہ پر یقین کے ساتھ اصرار ہے تو جائز نہیں، اگر بطور احتمال ذکر کیا جائے کہ

شاید یہ مراد ہو اور بعید نہیں کہ ایسا مقصود ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ تو قرآن کی ظاہری تفسیر کے مضمرات ہیں۔ لیکن قرآن ظاہر کے علاوہ قرآن باطن بھی ہے جس کا خود قرآن تعارف کرارہا ہے۔'' ان للقرآن سبعین بطناً۔ قرآن کے ستر باطن ہیں۔ قرآن ظاہر کی بنیاد الفاظ پر ہے اور ایک لفظ کے معنیٰ ایک وقت میں ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتے لیکن باطن کی بنیاد رموز و اشارات پر ہے اور اشارہ ایک چیز سے متعدد امور کی طرف ممکن ہے۔

ظاہر قرآن وہ ہے جس کے سمجھنے کا حق سب کو دیا گیا ہے، جو بھی عربی زبان کی خصوصیات سمجھ سکے۔ لیکن باطن قرآن وہ ہے جس کو سمجھنے کے لئے علم وعرفان کی خصوصی منزلوں تک رسائی حاصل کرنا بلندی ہے۔اس میں ہر شخص کو طبع آزمائی کا حق نہیں ہے۔ اس قسم کے اشارات لفظ ومعنی کے تعین سے تو تعلق رکھتے نہیں جس کو عام اصول ومحاورے کے مطابق سمجھا جا سکے ۔ اگر افتادطبع اور ذہنیت کے سہارے، سوئے ظن یا سابق وحال کے واقعات کے جوڑ توڑ سے اشارے کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں تو بھی امکان ہے کہ ہم یہ اشارہ اس کے سرمنڈھ دیں جس کے لئے یہ اشارہ ہے ہی نہیں۔

جب معمولی اشخاص کے کلام میں اس طرح کی غلطی سرزد ہوتی ہے اور عقل انسانی مکمل رہنمائی نہیں کرپاتی تو خداوند عالم کے کلام میں یہ ناقص وغیرمکمل عقل کہاں صحیح الفاظ تک رہبری کرسکتی ہے؟ اس لئے غلطی کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہ کلام الٰہی کی افہام وتفہیم کا معاملہ ہے جہاں تفسیر بالرائے کی بھی ممانعت ہے کیونکہ اس میں رموز واشارات کے تعین کی کوشش میں ظاہری الفاظ کے آگے معنی نکالنے کا خطرناک امکان پوشیدہ ہے اور اشارتی الفاظ کے ظاہری معنی بیان کردینا تفسیر نہیں کہلائے گا کیونکہ تفسیر کے معنیٰ غیر ظاہر کو ظاہر واضح بنانا ہے۔

یہ تو قرآن کے رموز واشارات کی بات ہے جس میں احتیاط ضروری ہے ۔لیکن قرآن کے مضامین پر غوروخوض کرنے سے جو رموز واسرار پیداہوں، علمی نکات برآمدہوں، فلسفیانہ انکشافات کا پتہ چلے اور ادبی محاسن کا اندازہ ہو، انہیں سمجھنے کی کوشش کرنا، سمجھنا اور پھر دنیا کے سامنے پیش کرنا ، قرآن کی مستحسن خدمت ہے جس کے مقبول ہونے کے لئے معانی ومطالب کے معیار کے سمجھنے کے ساتھ ذوق سلیم ، دقت نظر، فراست اور جذباتی ورجحان ذہنیت کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی موشگافی ونکتہ پروری اس وقت قابل قبول ہوگی جبکہ رموز ونکات کی تشریح وتصریح کے لئے اصل مضمون قرآن میں بذریعہ تفسیر کوئی تبدیلی نہ کرنا پڑے۔ قرآن مجید کے اصلی معانی ومطالب محفوظ رکھتے ہوئے ان

کے صحیح مصداق کا پتہ لگانے میں تاریخی وفلسفیانہ معلومات اور جدید انکشافات سے مدد لینا درست ہوگا۔ مثلاً

قرآن میں آیا ہے ربّ المشرقین وربّ المغربین۔ خداوند عالم دو مشرقوں اور دو مغربوں کا مالک ہے۔ ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ مشرق سے مراد مشرق آفتاب اور مغرب سے مراد مغرب آفتاب۔ اب اگر کوئی کہے کہ مشرق سے مراد مشرق آفتاب نبوت اور مشرق خورشید امامت ہے تو یہ یقیناً معنیٰ میں تصرف ہے۔ لیکن مشرق ومغرب کے ظاہری معنی فقط طلوع وغروب آفتاب قرار دیتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کرنا کہ یہ دو مشرق اور دو مغرب کون ہیں۔ تفسیر نہیں کہلائے گی ۔ یہ تو فقط علمی کوتاہی دور کرنے کی کوشش ہوگی''

سابق زمانہ کے مفسرین نے مشرقین ومغربین کا مصداق گرمی وجاڑے کا مشرق ومغرب قرار دیا اس لئے کہ ان کے ذرائع معلومات محدود تھے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ مشرقین ومغربین کا مصداق حقیقی امریکہ کے انکشاف سے پایۂ ثبوت کو پہونچا ہے تو یہ حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ایک مشرق ومغرب اس قطعہ زمین کا جس سے ہم واقف ہیں اور دوسرا مشرق ومغرب اس قطعہ زمین کا جہاں امریکہ واقع ہے جس سے ہم اب تک ناوقف تھے جبکہ قرآن اس کے وجود کا ضمنی طور پر پتہ بھی دے رہا تھا۔ یہ تشریح تفسیر بالرائے نہیں ہوگی۔ کیونکہ حقیقت کا انکشاف ہے۔ خود قرآن میں دو مشرق اور دو مغرب کا پتہ موجود ہے لیکن اپنی معلومات کی کوتاہی کی وجہ سے اس کے صحیح مصداق کا پتہ نہیں چلا سکے اب جبکہ ہمارے ذرائع معلومات میں وسعت پیدا ہوئی ہے تو ہم کو اس کا پتہ لگا ہے۔ اس میں کوئی غلطی نہیں اور نہ اس بات کو کہنے میں کوئی گناہ ہے۔

دوسری مثال: قرآن میں ربّ المشارق والمغارب کا ذکر ہے یعنی اس میں دو سے زیادہ مشرق اور مغربوں کا ذکر ہے جس کا خدا مالک ہے۔ امریکہ کی دریافت کے نتیجہ میں تو مشرقین اور دو مغربین کا جواز نکل آیا۔ لیکن اب بہت سے مشارق اور مغارب کا کیا جواز ہے؟ سابق مفسرین نے اس سے مراد ہر دن کا مشرق ومغرب سے لیا ہے اس لئے کہ آفتاب اپنی ذاتی حرکت کے اعتبار سے ہر روز ایک نئی مشرقی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئی مغربی جگہ میں غروب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے روزانہ کا مشرق ومغرب نیا ہے۔ حالیہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب ایک نہیں،

جتنے ثوابت ستارے سمجھے جاتے ہیں وہ ہر ایک آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس کے مستقل نظام ہیں اور اسی نظام کے تحت سیارے ہیں۔ ان تمام آفتابوں کے لئے اپنے سیاروں کے اعتبار سے اسی طرح طلوع وغروب ہے اور اس طرح مشارق ومغارب کا بہترین مصداق ان تمام آفتابوں کے مشرق ومغرب ہیں۔ چونکہ ایک حقیقت کا انکشاف ہوا ہے۔ اور یہ انکشاف اگر محض ذاتی عقل صرف کرنے سے بھی ہوتا تو بھی اس کو تفسیر بالرائے نہیں کہا جاسکتا۔

تیسری مثال : الحمد للّٰہ ربّ العلمین۔ خدا تمام عالموں کا رب ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم متعدد ہیں اور خدا ان تمام عالموں کی پرورش کرتا ہے۔ لیکن یہ بہت سے عالم آئے کہاں سے۔ عالم تو یہ ایک ہی ہے۔ اس محدود علم والے مفسرین نے اس سے مراد انواع کائنات لئے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے یہ تمام انواع ایک ہی عالم کے اجزاء ہیں متعدد عالم نہیں۔ اب جبکہ ثابت ہے کہ کائنات صرف اسی نظام شمسی میں محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے نظام بھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک دنیا موجود ہے تو عالموں کے بہت سے تعداد میں ہونے کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ قرآن اس دنیا کے علاوہ دوسری کائناتوں کے وجود کی خبر دے رہا ہے تو اسے تفسیر بالرائے کے تحت لانا صحیح نہ ہوگا۔ اس قسم کی جتنی بھی آیتیں ہیں۔ جہاں کسی قسم کے معنی ومطالب میں تبدیلی نہ کی گئی ہو، بلکہ مصداق تلاش کرکے دیکھا گیا ہو، تحقیق سے حقیقت کا انکشاف ہوا ہو، حدیث وتفسیر میں تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ عقل سے ثابت ہو، وہ کبھی بھی تفسیر بالرائے کے تحت مندرج نہ ہوں گی۔

قرآن میں کچھ ایسے مضامین کی آیتیں ہیں جن کے اشاراتی معنی ہیں لیکن ظاہری معنی کچھ متعین نہیں ہیں۔ ان میں صرف عقل کے تصرف سے کوئی انکشاف کرنا درست نہیں ہے۔ اس میں راسخین فی العلم سے تمسک کی ضرورت ہے۔ لیکن عقل کے تصرف کو اگر امکانی حدود تک رکھا جائے اور یقین کے ساتھ کہنے کی جرائت نہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث میں کسی ایسی آیت کے رمز واشارات کے معنی کی کوئی جہت بتلا بھی دی گئی ہے تو احتمالی کوششوں کا دروازہ پھر بھی بند نہ ہوگا کیونکہ قرآنی آیات کے اشارات کسی ایک جہت پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اور جہتیں بھی ممکن ہیں جن پر بطور احتمال غوروفکر کی ممانعت نہیں ہے۔

ایسی آیتیں متشابہات کہلاتی ہیں اور یہ باطنی قرآن کا اہم حصہ ہیں۔ اگر کسی آیت کے اصلی

معنی مراد لیا جانا ممکن نہ ہولیکن کوئی اور معنیٰ عام روز مرہ کے مطابق ہوں تو ان کو متشابہات نہیں سمجھا جائے گا ۔ مثلاً کسی آیت میں ''یدٌ'' کے معنی ہاتھ نہ ہوں تو اس صورت میں ''یدٌ'' کے معنی قدرت وطاقت کے بالکل اصول ومحاورے کے مطابق ہیں۔لیکن اگر دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں ، یعنی نہ تو اصلی معنی مرادلے جاسکتے ہوں اور نہ ہی کوئی معنیٰ عام روز مرہ کے مطابق ہوں، تو پھر ایسی آیتیں متشابہات قرآن قرار پائیں گی اور ان کے لئے قطعی طور پر راسخین فی العلم کے بتلائے بغیر کچھ بن نہیں سکتا۔ احادیث آئمہ میں اس قسم کے معانی باطنیہ بہت مذکور ہیں۔ انہیں کا نام تاویل ہے اور یہ انہیں حضرات کا مخصوص حصہ ہے۔

قرآن میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں خطاب کسی سے ہے اور مقصود کسی اور کو سنانا ہے۔ مثلاً ؎ ''(اے رسول) اگر تم شرک اختیار کروتو تمہارا عمل رائگاں ہوجائے اور تمہیں نقصان اٹھانا پڑے۔'' یہ تنبیہ در اصل رسول کے لئے نہیں ہے بلکہ رسول کو آواز دیکر دوسرے لوگوں سے کہی جارہی ہے کہ شرک کرنے کے بعد کوئی عمل قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ''لئن اشرکت'' پتہ دیتا ہے کہ آپ سے شرک کے وقوع کا امکان ہے اور یہ آپ کی عصمت کے خلاف ہے تو یہ استدلال واعتراض اس لئے صحیح نہ ہوگا کہ حقیقتاً یہ خطاب دوسروں کی تنبیہ کے لئے ہے تو نتیجہ کا تعلق آپ کے ساتھ باقی نہ رہا۔ دوسروں کی جانب ہوگیا۔

قرآن مجید میں بہت جگہ یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں جن کے اصلی وظاہری معنیٰ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ اگربعض روایت میں نظر سے یہ گزرے کہ اقامت صلوٰۃ اشارہ ولایت کے عقیدے کی طرف ہے جو سبب درستی عبادت ہے تو بیشک یہ اشارہ اپنی جگہ پر درست ہوگا لیکن اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ یہ آیت وجوب نماز وزکوٰۃ کی دلیل ہی نہ رہے اور کہا جاوے کہ اس سے تو ولایت ائمہ معصومین مراد ہیں اب اسکو نماز وزکوٰۃ سے کیا تعلق ؟ اس آیت میں نماز کا حکم ہے اور اشارہ وجوب ولایت کی طرف ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پہلے معنیٰ بالکل نظر انداز ہوگئے ہوں اور دوسرے معنیٰ بطور استعمال لفظی مراد ہوں۔

بعض آیات کی نوعیت شان نزول سے متعین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی۔لیکن شان نزول سے عمومی وخصوصی آیتوں کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ آیت کے الفاظ اگر عمومی حیثیت رکھتے ہیں تو شان نزول کے مخصوص ہونے کی وجہ سے اس میں خصوصیت پیدا ہونہیں

ہوگی۔ بیشک اگر آیت کے الفاظ ہی کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کررہے ہیں تو خود اس میں عموم نہیں پایا جاتا۔ ایسی صورت میں حدیث ایک تاریخی حقیقت کے انکشافات کا فائدہ دے گی کہ آیت میں شخص خاص سے مراد کون ہے ۵ مثلاً کیا جو شخص مومن ہے وہ برابر ہے اس شخص کے جو فاسق ہو۔نہیں کبھی نہیں۔ اس سے یہ کلیہ ثابت ہے کہ مومن اور فاسق عزت واحترام اور احکام وحقوق میں مساوی نہیں سمجھتے جاسکتے۔ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے کہ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت علی اور فاسق سے مراد ولید ابن عقبہ ہے جس نے آپ سے مفاخرت کرنا چاہی تھی۔

دوسری مثال: ۶ اے جماعت مومنین اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق ضروری ہے۔ اس سے یہ کلیہ قائم ہوگیا کہ فاسق کی خبر بغیر تحقیقات کے قبول نہ کی جائے، یعنی معتبر نہ سمجھی جائے حالانکہ روایت سے ثابت ہے کہ اس آیت کا مورد نزول ولید ابن عقبہ ہے۔

یہ دونوں آیتیں احادیث سے خصوصی شان نزول رکھتے ہوئے بھی کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی حکم عمومی کی حیثیت رکھتی ہیں جو بطور اصول ہمیشہ قائم ہے اس کے برخلاف قرآن کی یہ جزوی آیت ہے ۷۔ ''خدا کو معلوم ہے کہ تم خیانت کیا کرتے تھے۔ اب خدا نے تم کو معاف کردیا'' یہ بیان واقعہ کی صورت رکھتا ہے جو ماضی سے متعلق ہے۔ اس سے خود ظاہر ہے کہ کچھ مخصوص افراد ہوں گے جو ایسا کرتے ہوں گے کہ ان کو معاف کردیا گیا۔ روایت نے ان کے نام بھی بتلائے ہیں۔ اس سے عمومی کلیۃ قائم نہیں ہوسکتا اور نہ نزول آیت کے بعد آنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ مثلاً اس آیت کو مجرمین اپنے لئے ایک عمومی پروانہ عفو ومغفرت گزشتہ حرکات کا خیال کرلیں یعنی جو کچھ کریں سب معاف کیونکہ خدا نے گزشتہ خیانتوں سے درگزر کی ہے۔ اس قسم کی آیتوں کو عمومی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

بعض آیتیں لفظی حیثیت سے عمومی لیکن سیاق وسباق کے اعتبار سے خصوصی ہوتی ہیں۔ مثلاً ۸ تمہارا مالک بس خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ جو ایمان لانے والے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں ایسی حالت میں کہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں۔'' ظاہری الفاظ کے اعتبار سے اس آیت کا شمار عموم میں ہوسکتا ہے۔ لیکن روایت وحدیث سے اس کی تخصیص ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی با ایمان اور نماز اگر اس عمل کی پیروی بی کرے پھر بھی اصلی مصداق وہی رہے گا جس کے حوالہ سے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے آیت کی تخصیص

باقی رہتی ہے۔

بعض آیتوں میں مخاطب مخصوص افراد ہیں لیکن آیت کا مفہوم عمومی ہے۔ یہ بات تمام احادیث سے تواتر کے ساتھ واضح ہے جہاں جہاں قرآن میں ''یاایھا الذین آمنوا کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ اب اگر یہ آیت آئی ۹'' اے ایمان لانے والو! خدا کی اطاعت کرو اور خدا کے رسول کی اطاعت کرو اور صاحب امر کی'' اس آیت میں یا ایھا الذین آمنوا کے تحت افرادمعصومینؑ ممتاز ہیں لیکن آیت کے حکم کے اعتبار سے ان افراد سے تخصیص نہیں کی جاسکتی ۔ ایسی تمام آیتوں میں صفت ومدح کے ممتاز افرادمعصومینؑ ہی ہیں لیکن احکام کسی خاص ذات سے مخصوص نہیں ہے۔ ان احکام وواجبات ومحترمات کی اطاعت عوام کے لئے ہے۔ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ احکام کی نوعیت ائمہ کے خصوصی مرتبہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً اسی آیت میں یہ نتیجہ نکالنا کہ ان احکامات کی پابندی انہیں ائمہ معصومینؑ کے لئے مخصوص ہے صحیح نہ ہوگا۔

تنزیل وتاویل کے اصول کی وضاحت میں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ خصوصی معنی کے ساتھ عمومی معنی یک قلم ممنوع وموقوف نہیں ہوتے اورعمومی معنی کے ساتھ خصوصی مطالب ومقاصد زائل نہیں ہوسکتے۔ ترجموں اورتفسیروں میں اکثر وبیشتر یہ توازن نہیں ملتا۔ یا تو عمومیت کے نام پر خصوصیت پامال ہوجاتی ہے یا خصوصیت کے نام پرعوام کو احکامات سے بری الزمہ ہونے کا جواز مل جاتا ہے ۔ بالخصوص پہلے قسم کی تفسیر میں شعوری کوشش کا احساس ہوتا ہے ۔ اسی کا ازالہ کرنا تفسیر قرآن کا اصل نصب العین ہے۔ ایسی تمام تفسیریں جہاں عمومیت کی بناپر خصوصیت کا کوئی اعتبارنہیں کیا گیا ہے وہاں فوق بلگرامی نے تنزیلی خصوصیات کا خاص طور پر تفصیلی ذکر کرکے آئمہ سے وابستہ خصوصیت کو بحال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل یہی تنزیل وتاویل کے اصول تفسیر ومعانی کا مقصد بھی ہے جس کی کوشش انہوں نے اپنے تفسیر قرآن میں کی ہے۔'' میرا مقصد ہی یہی ہے کہ نفس اسلام کے ساتھ ان نفوش اسلام کے حقوق ، ان کے مراتب ومناقب اور ان کی خالص خدمات اسلام محفوظ کردی جائیں جن کے ذکرو اوصاف احادیث وقرآن کے متواترات ہیں۔

حوالے:

۱۔أَنِّی أَخْلُقُ لَكُمْ مِنْ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللّٰهِ

۲۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

۳۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الاْ نْسَانَ لَفِیْ خُسْر....

۴۔ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنْ الْخَاسِرِينَ

۵۔ افمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً ط لا يستوٗن..

۶۔ يااَيُّهَا الّذِيْنَ آمَنُوا اِنْ جَائكُمْ...

۷۔ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ

۸۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمْ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

۹۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ